© rasailojaraid.com



# فکر ولی اللہی کی جامعیت

محمد سرور

حضرت شاہ ولی اللہ کے علوم و معارف میں جو چیز سب سے نمایاں ہے، اور جس کی بنا پر ہم انہیں صحیح معنوں میں برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کا امام کہہ سکتے ہیں، وہ ان کے فکر کی جامعیت ہے اگرچہ شاہ صاحب اپنے زمانے میں ان تمام کوششوں میں دلچسپی لیتے رہے، جو اُس وقت حکومت اسلامی کو تباہی اور خلق خدا کو بربادی سے بچانے کے لئے کی جاتی رہیں، لیکن انہوں نے زیادہ تر اپنے تئیں رسول اکرم علیہ الصلوۃ والسلام کی خلافت[1] باطنہ کی تکمیل کے لئے وقف رکھا بے شک جو لوگ خلافت ظاہری[2] کے لئے زیادہ موزوں تھے شاہ ولی اللہ صاحب ان کی ہمت افزائی کرتے تھے۔ اور اس سلسلے میں قوم کی مادی مشکلات ان کی نظروں سے کبھی اوجھل نہ ہوئیں۔ لیکن ان کا اپنا راستہ دوسرا تھا۔ انہوں نے نہ صرف کلام مجید کا فارسی ترجمہ اور درس و تالیف کتب حدیث سے کتاب و سنت کی وسیع اشاعت کا سامان کیا، انہیں ہماری انفرادی و اجتماعی زندگی

---

[1] جو لوگ باطنی خلافت والے ہیں، یعنی جو اس کام پر مقرر ہیں کہ شرائع اور قوانین اسلامی، قرآن اور سنن و آثار کی تعلیم دیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں، وہ لوگ جن کے کلام سے دین کی تائید ہوتی ہے، خواہ وہ مناظرہ و مباحثہ کی راہ سے ہو، جیسا کہ متکلمین اسلام کا حال ہے۔ یا وعظ و پند کے طریقے سے ہو، جیسا کہ اسلام کے مفسرین اور خطبا، دین کی خدمت سرانجام دیتے ہیں یا وہ لوگ جو اپنی صحبت اور توجہ و ہمت سے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کرتے ہیں، جیسا کہ مشائخ و صوفیا کا حال ہے۔ اس طرح جو نمازیں قائم کراتے ہیں۔ حج کراتے ہیں اور جو احسان (دوام حضور) کے حصول کی راہ لوگوں کو بتلاتے ہیں اور زہد و تقویٰ کی طرف لوگوں کو راغب کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو ہم خلفائے باطنی (باقی صـ۲۴ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کا معمول بہ بنانے کی کوشش کی۔ تصوف و معرفت کا احیا کیا۔ اور علوم اسلامی کی ترتیب و تنظیم سے ہمارے لئے ایک بیش بہا علمی خزانہ یادگار چھوڑا، بلکہ اختلافی معاملات میں ایک ایسا راستہ اختیار کرنے، جس پر صوفی اور ملا، شیعہ اور سنی، حنفی اور شافعی، مجددی اور وحدت الوجودی، معتزلہ اور اشاعرہ متفق ہو سکیں، اس سرزمین کے مسلمانوں کو ایک ایسا دینی اور علمی نظام عطا کیا، جو اس ملک میں مسلمانوں کے شعار قومی کی حیثیت حاصل کر سکتا تھا۔ اور جس کے مروج و مقبول ہونے کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک متفق علیہ مذہبی نظام کی بنیادوں پر ایک قوم کی تعمیر ہو سکی۔ اور جدید اسلامی ہندوستان کا آغاز ہوا۔

شاہ ولی اللہ کی ہمہ گیر جامعیت کی ترکیب و تشکیل میں ہمیں اتنے گوناگوں، متضاد اور ہمہ گیر عناصر کارفرما نظر آتے ہیں کہ ایک ذات واحد میں ان کا اس طرح اجتماع بہت ہی کم ہوا کرتا ہے۔ ایک تو آپ کی ان تمام علوم و فنون پر جو اس وقت مسلمانوں میں رائج تھے، وافی اور غائر نظر تھی، اور دوسرے ان علوم و فنون کے مختلف پہلوؤں کو مختلف ماحول اور مختلف زاویوں سے دیکھنے کا بھی آپ کا بڑا اچھا موقع ملا۔ خوش قسمتی سے حدیث و فقہ و تفسیر، تصوف و طریقت اور حکمت و فلسفہ کے مختلف مکاتب آپ کی ذات میں جمع ہو گئے تھے، اور آپ نے پوری وسعت فکری سے ان سب سے استفادہ کیا، اور اس کی اساس پر اپنی منفرد جامعیت کی عمارت اٹھائی۔

اس سلسلے میں شاہ صاحب کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ نہ صرف آپ نے اسلامی علوم و فنون کا

---

(بقیہ حاشیہ) کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ (فیوض الحرمین)

۵؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں امت مرحومہ کے لئے نیک نمونہ ہے۔ اب امت میں سے جو اصحاب خلافت ظاہرہ ہیں یعنی وہ لوگ جن کا کام شریعت کی حدود قائم کرنا، جہاد کے لئے ساز و سامان فراہم کرنا، سلطنت کی سرحدوں کی حفاظت کرنا، وفود بھیجنا، صدقات اور خراج جمع کرنا اور مستحقین پر ان کو تقسیم کرنا، مقدموں کا فیصلہ کرنا، یتیموں، مسلمانوں کے اوقاف، گزرگاہوں، مسجدوں اور اسی طرح کے جو امور ہیں، ان کی خبر گیری کرنا۔ ان لوگوں کے لئے تو رسول اللہ کا نیک نمونہ آپؐ کے وہ احکام و اوامر ہیں، جو مذکورہ بالا امور کے متعلق کتب حدیث میں بڑی تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ جس شخص پر ان امور کی ذمہ داری ہوتی ہے ہم اس کو خلیفۂ ظاہر کہتے ہیں۔ (فیوض الحرمین)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کا احصاء کر کے انہیں نئے سرے سے مرتب فرمایا، بلکہ ان میں جو اختلافات پیدا ہو گئے تھے ان میں آپس میں تطبیق دی، اور ان کے اصول و مبادی کو ہم آہنگ ثابت کیا۔ اپنے "مکتوب مدنی" میں وہ اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔" اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمیں اس زمانے میں یہ سعادت نصیب ہوئی ہے کہ ہمارے سینے میں اس امت کے علماء کے سب علوم جمع ہو گئے ہیں۔ کیا معقولات، کیا منقولات اور کیا کشف وہ جدان کے علوم۔ ہمیں خدا نے یہ توفیق دی ہے کہ ایک علم کو دوسرے پر تطبیق دے سکتے ہیں۔ اس طرح بظاہر ان میں جو اختلافات ہوتے ہیں، وہ ختم ہو جاتے ہیں۔ اور ہر بات اپنی جگہ پہ ٹھیک بیٹھ جاتی ہے۔ اور ان میں کوئی تناقض نہیں رہتا۔ مختلف اور متعارض اقوال میں ہمارا تطبیق کا یہ اصول علم کے تمام فنون پر حاوی ہے۔ اس کے تحت فقہ بھی آتی ہے۔ علم کلام بھی آجاتا ہے۔ اور تصوف کے مسائل بھی"

اس کے علاوہ شاہ ولی اللہ صاحب نے جیسا کہ وہ اپنی مشہور کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" کے دیباچے میں لکھتے ہیں،

مصطفوی شریعت کو برہان اور دلیل کے پیراہنوں میں ملبوس کر کے اسے دنیا کے سامنے پیش کیا اور انسانی فلاح و بہبود کے جو بنیادی اصول ہیں، اسلامی تعلیمات کو ان پر منطبق فرمایا۔ ان کا ترجمۃ القرآن ہی ایک ایسا کارنامہ ہے کہ اگر وہ کچھ اور نہ کرتے تب بھی انہیں ہمارے علمی محسنوں کی صف اوّل میں جگہ ملتی لیکن انہوں نے اس پر اکتفا نہیں کیا انہوں نے علوم اسلامی کی شاخ مثلاً حدیث، تفسیر تاریخ فقہ اور عقائد کو لیا۔ اور ان میں بلند پایہ اور بنیادی کتابیں تصنیف کر کے علوم اسلامی کی ایک مستقل لائبریری قائم کر دی ان کے مختصر سے رسائل مثلاً الانصاف اور الفوز الکبیر کو دیکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ چالیس چالیس پچاس پچاس صفحات کے اندر شاہ صاحب نے کس قدر ٹھوس معلومات اور سچتے کی باتیں جمع کر دی ہیں۔ شاہ صاحب کے علمی کارنامے ایک معجزہ ہیں۔ اس لحاظ سے شاہ صاحب نہ صرف ہندوستانی علماء کے صدرنشین ہیں، بلکہ اسلامی دنیا کی ممتاز ترین ہستیوں مثلاً امام غزالی یا امام ابن تیمیہ کے پہلو بہ پہلو بیٹھنے کے مستحق ہیں اور کئی باتوں میں ان سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں۔ شاہ صاحب کا مخاطب زیادہ تر اسلامی ہندوستان سے تھا۔ انہوں نے ان مسائل پر زیادہ توجہ دی، جو ان کے ہم وطنوں کے لئے زیادہ اہمیت رکھتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر خالص علمی کارناموں پر نظر رکھیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



تو شاہ صاحب کا مرتبہ امام غزالی اور امام تیمیہ سے کچھ بلند ہی نظر آتا ہے۔

شاہ ولی اللہ کا ذکر کرتے ہوئے مولانا شبلی اپنی تصنیف "تاریخ علم الکلام" میں لکھتے ہیں "ابن تیمیہ اور ابن رشد کے بعد بلکہ خود انہی کے زمانے میں مسلمانوں میں جو عقلی تنزل شروع ہوا تھا، اس کے لحاظ سے یہ امید نہ تھی کہ پھر کوئی صاحب دل و دماغ پیدا ہوگا، لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشا دکھانا تھا کہ اخیر زمانے میں جب کہ اسلام کا نفس بازپسیں تھا، شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوا، جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی اور ابن رشد کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے۔"

آپ کے متعلق نواب سید صدیق حسن خاں لکھتے ہیں "اگر وجود او در صدر اوّل و در زمانۂ ماضی مے بود امام الائمہ و تاج المجتہدین شمردہ مے شد" یعنی اگر آپ پہلے زمانے میں پیدا ہوتے تو آپ کو اماموں کا امام سمجھا جاتا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم شاہ صاحب کو محض اپنی کم ہمتی اور تقلید پسندی سے امام نہیں کہتے، ورنہ جہاں تک علمی تبحر، دماغی قابلیت، مجتہدانہ نظر، سلیم الخیالی اور اشاعت کتاب و سنت کے سلسلے میں عظیم الشان قومی اور مذہبی خدمات کا تعلق ہے ابنائے اسلام میں بہت ہی کم بزرگ ہوں گے، جن سے آپ پیچھے رہے ہوں۔ آپ نے بیسوں کتابیں لکھیں۔ تفسیر، حدیث، تصوف، فقہ اور تاریخ علم الکلام، غرضکہ علوم اسلامی کی کوئی شاخ نہیں، جسے آپ نے سیراب نہ کیا ہو۔

اب ہم فرداً فرداً اس جامع کمال شخصیت کے علمی کارناموں کا تعارف کراتے ہیں۔

قرآن مجید۔ شاہ صاحب کا سب سے اہم کام قرآن مجید اور علوم قرآنی کی نشر و اشاعت ہے اور اس سلسلے میں آپ کا سب سے بڑا کارنامہ قرآن مجید کا فارسی ترجمہ ہے۔ ہندوستان میں بہت کم لوگ عربی جانتے تھے۔ دفتری اور تعلیمی زبان فارسی تھی، لیکن اس زبان میں قرآن مجید کا کوئی ترجمہ رائج نہ تھا حج سے واپس آنے کے بعد ۱۷۳۸ء - ۱۷۳۷ء میں آپ نے فارسی میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا۔ گو بعض علماء کی طرف سے اس کی سخت مخالفت کی گئی۔ لیکن آہستہ آہستہ یہ مخالفت کم ہوتی گئی۔ اور اس کی وجہ سے قرآن مجید کے اردو ترجموں کی بھی راہ پیدا ہوگئی۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ کے بعد ان کے دو صاحبزادوں نے قرآن مجید کے اردو میں ترجمے کر دیئے۔ شاہ ولی اللہ کے ترجمۂ قرآن کے متعلق قرآن مجید کے مشہور اردو مترجم مولانا نذیر احمد لکھتے ہیں۔ "فی الحقیقت قرآن کے مترجم ہونے کے لئے جتنی باتیں درکار تھیں، ترجمے سے ثابت ہوتا ہے وہ سب مولانا شاہ ولی اللہ میں علی وجہ الکمال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



پائی جاتی تھیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ مولانا صاحب کی نظر تفاسیر اور احادیث اور دین کی کتابوں پر ایسی وسیع ہے کہ بس انہیں کا حصہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک آیت بلکہ ہر ایک لفظ کی نسبت مفسرین کے جتنے اقوال ہیں، وہ سب ان کے پیش نظر ہیں، اور وہ ان میں جس کو واضح پاتے ہیں، اسے اختیار کرتے ہیں۔"

شاہ صاحب نے نہ صرف قرآن مجید کا ترجمہ کیا، بلکہ اس مسئلے کے علمی پہلوؤں پر بھی ایک رسالہ لکھا اور مقدمہ فی ترجمۃ القرآن میں قرآن مجید کے مترجموں کی رہنمائی کے لئے کارآمد ہدایتیں درج کیں۔ اس ضمن میں شاہ صاحب لکھتے ہیں "اس بندۂ ضعیف پر خداوند تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں، جن میں سب سے زیادہ عظیم الشان نعمت یہ ہے کہ اس نے مجھ کو قرآن مجید سمجھنے کی توفیق عطا فرمائی اور حضرت رسالت مآب کے احسانات اس کمترین امت پر بہت سے ہیں، جن میں سب سے بڑا احسان قرآن مجید کی تبلیغ ہے"

قرآن مجید کی تبلیغ شاہ صاحب نے فقط ترجمہ کر کے ہی نہیں کی، بلکہ علم تفسیر کے متعلق کتابیں بھی لکھیں، جن میں الفوز الکبیر فی اصول التفسیر خاص طور پر قابل ذکر ہے کتاب کے ایک باب میں شاہ صاحب نے علوم پنجگانہ کا تعین کیا ہے۔ جنہیں قرآن میں بار بار دہرایا گیا ہے۔ دوسرے باب میں آپ نے مسئلہ نسخ پر بحث کی ہے، اور ثابت کیا ہے کہ قرآن میں زیادہ سے زیادہ صرف چار آیات منسوخ ہیں اسی طرح آیات کی شان نزول کا ذکر کرتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں، "حق یہ ہے کہ نزول قرآنی سے مقصود اصلی نفوس بشریہ کی تہذیب اور ان کے باطل عقائد اور فاسد اعمال کی تردید ہے" گویا وہ قرآنی ارشادات کو وسیع سے وسیع مفہوم دینا چاہتے ہیں۔ علم تفسیر میں اسرائیلیات کو جو بہت زیادہ بار مل گیا تھا، اس کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں" اسرائیلی روایات کا ذکر کرنا ایک ایسی بلا ہے جو ہمارے دین میں داخل ہو گئی ہے۔"

الغرض شاہ صاحب نے اصول تفسیر میں اپنی یہ مختصر سی کتاب الفوز الکبیر لکھ کر قرآن مجید کے مطالعہ اور اس سے استفادہ کرنے اور ہدایت پانے کی ایک نئی راہ کھولی ہے اور قرآن کا سمجھنا سہل بنایا ہے

حدیث — اُس زمانے میں اسلامی مدارس میں عام طور سے صرف و نحو یا منطق و فقہ پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ اکبر اور جہانگیر کے عہد میں شیخ عبدالحق سے حدیث کی اشاعت شروع کی، لیکن فقہ و منطق کے فروغ نے حدیث کو چمکنے نہ دیا۔ ان کے جانشینوں نے اس علم پر تصنیف و تالیف کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



سلسلہ جاری رکھا، لیکن شاہ جہاں اور عالمگیر کی علم پروری انہیں قضا اور افتاء کی مسندوں پہلے گئی اور وہ درس حدیث کا سلسلہ پوری طرح جاری نہ رکھ سکے۔ اس کی تلافی شاہ ولی اللہ صاحب نے کی۔ ایک تو اورنگ زیب کے بعد مفتیوں اور قاضیوں کی پہلی سی قدر نہ رہی اور فقہ کی کشش کچھ کم ہو گئی دوسرے شیخ عبدالحق کی طرح شاہ ولی اللہ بھی ثانی العلم تھے۔ "قاضی القضاۃ" اور "شیخ الاسلام" بننے کی خواہش ان کے دل میں نہ تھی۔ انہوں نے اپنی کوشش اس علم کی توسیع کے لئے وقف رکھی، جس کی بادشاہوں کے درباروں میں تو قدر نہ تھی، لیکن جو عام مسلمین کی اخلاقی اور روحانی اصلاح کے لئے ضروری تھا۔ شاہ صاحب نے علم حدیث پر کئی کتابیں لکھیں، لیکن اس سے بڑھ کر یہ کیا کہ ایسے علماء کی تربیت کر گئے جنہوں نے درس حدیث کا سلسلہ ان کے بعد جاری رکھا اور یہ فیض ملک میں عام ہو گیا۔

شاہ ولی اللہ امام مالک کے مرتب کردہ اور سب سے قدیمی مجموعۂ حدیث مؤطا کے بڑے مداح تھے۔ چنانچہ وصیت نامہ میں لکھتے ہیں "جب عربی زبان پر قدرت ہو جائے مؤطا بروایت یحییٰ بن یحییٰ مصمودی پڑھا دیں۔ اسے ہرگز نہ چھوڑیں کہ علم حدیث کی اصل ہے۔ اس کے پڑھنے میں بہت فیض ہیں" علم حدیث میں شاہ صاحب کا یہ اجتہاد سمجھنا چاہیئے کہ وہ مؤطا کو صحیح بخاری پر ترجیح دیتے ہیں۔ شاہ صاحب نے مؤطاء کی شرح فارسی و عربی دونوں زبانوں میں لکھی۔

"حجۃ اللہ البالغہ" جو اسرار شریعت میں آپ کی ضخیم اور مشہور کتاب ہے، اس کے مضامین بھی بیشتر احادیث پر مبنی ہیں۔ اور اس سے بھی علم حدیث سے آپ کی عمیق واقفیت کا پتہ چلتا ہے۔

اصول فقہ۔ گو شاہ صاحب نے وقتی ضروریات کے متعلق فقہی فتوے بہت نہیں دیئے۔ لیکن علم فقہ کو صحیح علمی اور ٹھوس بنیادوں پر قائم کرنے کے لئے انہوں نے بڑی کوشش کی اور ایسی کتابیں لکھیں جو اہل بصیرت و دانش کو ہدایہ اور فتاوائے عالمگیری سے اوپر فقہ اور شریعت کے اصلی سرچشمے تک پہنچا دیتی ہیں، اور جن کی وجہ سے ایک مبتدی کے لئے بھی ممکن ہے کہ وہ ان حالات کا اندازہ کرے، جن کے ماتحت شرع اور فقہ کی تدوین ہوئی۔ اس سلسلے میں ان کی بہترین کتاب ایک مختصر رسالہ "الانصاف فی بیان سبب الاختلاف" ہے۔ اس کتاب کو اگر تاریخ فقہ و علم حدیث کہا جائے تو بجا ہے۔ کیونکہ فی الحقیقت یہ کتاب عہد سعادت سے لیکر پانچویں صدی ہجری تک فقہ کی تدوین، کتب احادیث کی فراہمی اور مختلف مذاہب فقہی کے آغاز کی ایک دلچسپ منصفانہ اور بہ اندازہ معلومات تاریخ ہے۔ اصل کتاب عربی میں ہے۔ شاہ صاحب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کے اس مختصر سے رسالے میں نہایت وضاحت اور انصاف پسندی سے تقریباً ان سب اہم بنیادی مسائل کا ذکر آ گیا ہے، جن پر علما میں اختلافات ہوئے ان اختلافات کی توضیح کی گئی ہے ساتھ ساتھ مذاہب اربعہ یعنی حنفی شافعی مالکی اور حنبلی طریقوں کی خصوصیات اور ان کی جداگانہ تشکیل پر نہایت عالمانہ تبصرہ ہے۔ جمع احادیث اور محدثین مثلاً بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی کے مجموعوں کی خصوصیات بیان کی ہیں۔ اجتہاد اور تقلید کے مسئلے پر روشنی ڈالی ہے۔ اور ان وجوہات کا ذکر کیا ہے، جن کی بنا پر مسلمانوں میں تقلید کا رواج ہوگیا۔

اجتہاد۔ تقلید و اجتہاد ہی کے مسئلے پر شاہ صاحب کی ایک بڑی مفید کتاب عقد الجید ہے اس میں انہوں نے اجتہاد کی قسموں اور مجتہد کی خصوصیات کے علاوہ اس قسم کے مسائل سے بحث کی ہے کہ ایک عامی فقہاء کے اختلاف کی صورت میں کیا کرے اور آیا ایک عامی مختلف فقہی مذاہب کی مختلف باتیں اختیار کر سکتا ہے۔ شاہ صاحب باب اجتہاد کے بند ہونے کے قائل نہ تھے، لیکن انہوں نے مجتہدین کے لئے بڑی کڑی شرطیں رکھیں ہیں۔

فقہ کا ایک بڑا اختلافی مسئلہ تقلید اور عدم تقلید کا ہے۔ اس کے متعلق شاہ صاحب کے خیالات کا خلاصہ یہ ہے۔ وہ عامی کو مجتہدین کا مقلد رہنے کے حق میں تھے اور ظاہر ہے کہ اگر یہ نہ ہو تو جس ملک میں شرعی قانون رائج ہوگا، اس کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ عامی کی تقلید حقیقتاً قوانین رائج کی تعمیل ہے۔ لیکن شاہ صاحب تقلید کو حد سے زیادہ بڑھانے کے مخالف تھے۔ انہوں نے ایک باب تقلید میں اعتدال رکھنے کے بارے میں لکھا ہے۔ اور تقلید کی ایک قسم کو حرام قرار دیا ہے، جو ان کے الفاظ میں یہ ہے "کہ کسی فقیہ کو گمان ہو کہ وہ علم میں نہایت کو پہنچ گیا ہے۔ ہو نہیں سکتا کہ وہ خطا کرے تو ایسے مقلد کو جب کوئی حدیث صحیح اور صریح پہنچتی ہے کہ مخالف اس فقیہ کے قول کے ہو، تو اس کے قول کو نہیں چھوڑتا۔"

تصوف ۔ شاہ صاحب نے جس ماحول میں پرورش پائی تھی، وہاں تصوف سے لگاؤ ہونا لازمی تھا۔ شاہ صاحب کے والد اور چچا اہل طریقت تھے اور معاصرانہ تذکروں میں ان کا ذکر مشائخ کے ضمن میں ہوا ہے، علماء کے ضمن میں نہیں۔ شاہ صاحب اس ضمن میں اپنے دور کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اس زمانے میں لوگ شرقاً غرباً صوفیہ کے علوم قبول کرنے پر متفق ہیں، یہاں تک کہ ان کے اقوال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اور حالات لوگوں کے لئے کتاب وسنت سے بھی زیادہ مرغوب خاطر ہیں، بلکہ عامۃ الناس تو صوفیہ کے رموز و اشارات کے بغیر کوئی چیز قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں .... اسی بنا پر وجدان، اشراق قلبی یا کشف اس زمانے میں ایک ضروری علم بن گیا ہے۔"

اور یوں بھی تصوف و طریقت تزکیۂ نفس اور روحانی اصلاح کے لئے بہت ضروری ہے اور اس کی سیدھی سادی ریاضتوں اور ذکر و شغل سے، جن کا شرع سے کوئی تضاد نہیں، انسان باطنی خرابیوں کی اصلاح کرسکتا ہے۔ اور مانا کہ اس وقت تصوف میں کئی کوتاہیاں ہیں لیکن تب بھی مسلمانان پاک و ہند کے لئے اسے جڑ سے اکھیڑ پھینکنا آسان نہیں ہمارا ادب فلسفہ اور مذہب تصوف کی گود میں پلا ہے اور اگر ہم تصوف کا قلع قمع کر دیں تو اپنے بہت سے قیمتی ورثے سے ہاتھ دھونا پڑے گا اس کے علاوہ تصوف کی اسلامی صورت یعنی "احسان" یا اخلاص فی العمل کی ضرورت قوم کو ہمیشہ رہی ہے اور رہے گی۔

شاہ ولی اللہ صاحب کو تصوف[1] سے گہری دلچسپی تھی۔ اور ان کی اصلاحی تحریک اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تحریک میں سب سے بڑی وجہ امتیاز یہ تھی کہ جہاں آخر الذکر تصوف کے اصلاً مخالف تھے، وہاں شاہ صاحب نے تصوف پر کئی کتابیں لکھیں۔ اور اس کی اصلاح کی کوشش کی تصوف پر شاہ صاحب کی ایک کتاب "القول الجمیل" ہے جس میں انہوں نے بڑی تفصیل سے مرید اور مرشد کے آداب و فرائض بتلائے

---

[1] شاہ ولی اللہ صاحب کے مسلک میں تصوف کو کتنی اہمیت حاصل ہے، اس کا اندازہ ان کے اس ارشاد سے ہو سکتا ہے۔

"وہ ہمارے گروہ میں سے نہیں، جس نے کتاب اللہ پر غور نہ کیا ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں فہم و بصیرت حاصل نہ کی ہو۔ وہ ہم میں سے نہیں جس نے ایسے علماء کی صحبت ترک کر دی ہو، جو صوفیا ہیں اور انہیں کتاب و سنت میں درک ہے۔ وہ ہم میں سے نہیں جو ایسے اصحاب علم سے کنارہ کش ہو گیا ہو، جو تصوف میں بہرہ رکھتے ہوں اور ایسے محدثین کی صحبت میں نہ بیٹھے، جو محدثین کے ساتھ ساتھ فقہاء بھی ہوں۔ وہ ہم میں سے نہیں، جس نے ایسے فقہاء کی صحبت ترک کر دی ہو جو علم حدیث بھی جانتے ہیں۔ باقی رہے جاہل صوفیہ اور جاہل علماء جو تصوف کا انکار کرتے ہیں، تو یہ دونوں کے دونوں چور اور رہزن ہیں، ان سے بچنا چاہیئے۔ خدا تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان لوگوں کے زمرے میں شامل کرے جو اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ اور اس کی رضامندی چاہتے ہیں اور اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہیں بناتے بے شک ہم اس کے لئے ہیں، اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں۔ والسلام" تفہیمات صفحہ ۲۰۲ جلد ۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اور مختلف سلسلوں کے جو اذکار و اشغال ہیں ان کو بیان کیا ہے۔ کتاب کے آخر میں شاہ صاحب نے راہِ حق کے طالب کو جو وصیت کی ہے اس سے تصوف و طریقت کے متعلق شاہ صاحب کا جو مسلک ہے، اس کی پوری وضاحت ہو جاتی ہے۔ شاہ صاحب کی اس وصیت کا خلاصہ یہ ہے " راہِ حق کے طالب کو چاہیئے کہ وہ دولت مندوں کی صحبت اختیار نہ کرے، سوائے اس کے کہ وہ اس کے ذریعہ لوگوں پر جو ظلم ہوتے ہیں، ان کو روکنا چاہیئے، یا وہ اس طرح انہیں نیک کاموں پر آمادہ کرنا چاہتا ہو۔ وہ جاہل صوفیوں جاہل عبادت گزاروں، خشک مزاج فقیہوں، ظاہر پرست محدثوں اور حد سے بڑھے ہوئے معقولیوں کے پاس نہ بیٹھے۔ اس کے برعکس وہ صاحب علم صوفی اور زاہد ہو۔ ہر دم اللہ کی طرف توجہ کرنے والا ہو، معرفت کے احوال کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہو۔ سنت کی طرف راغب ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور صحابہ کے آثار کی تلاش میں رہے۔ وہ محقق فقہاء جو قیاس و رائے کے مقابلے میں حدیث کی طرف زیادہ مائل ہیں، وہ علماء جن کے عقائد سنت سے ماخوذ ہیں۔ اور وہ عقلی استدلال کو ایک زائد سی چیز سمجھتے ہیں۔ اور وہ اصحاب سلوک جو جامع ہیں علم اور تصوف کے اور بلا وجہ اپنے اوپر سختی نہیں کرتے اور نہ ضرورت سے زیادہ سنت میں دقت پسندی سے کام لیتے ہیں۔ طالب حق کو چاہیئے کہ ان فقہاء، ان علماء اور ان اصحاب سلوک کی کتابوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور صحابہ کے آثار کی وضاحت اور تفصیل دیکھے۔

راہِ حق کے طالب کو چاہیئے کہ وہ فقہ کے کسی ایک مذہب کو دوسرے مذہب پر ترجیح دینے کے بارے میں گفت گو نہ کرے، بلکہ ان سب مذاہب کو وہ ایک ہی درجہ قبولیت پر رکھے۔۔۔ اسے چاہیئے کہ فقہ کے ان سب مذاہب کو یوں سمجھے، جیسے کہ یہ ایک مذہب ہے۔ اور اس معاملے میں وہ ہرگز تعصب نہ برتے۔"

اور آخر میں فرماتے ہیں:۔ " طالب راہِ حق کو میری آخری وصیت یہ ہے کہ وہ تصوف کے ایک طریقے کو دوسرے طریقے پر ترجیح دینے کے متعلق بحث نہ کرے۔ صوفیاء میں سے جو مغلوب الحال لوگ ہیں، نہ تو وہ ان کو برا سمجھے اور نہ ان کو جو سماع وغیرہ امور میں تاویل کرنے والے ہیں اور جہاں تک اس کی اپنی ذات کا تعلق ہے وہ سوائے اس راہ کے، جو سنت سے ثابت ہو، اور اہل علم میں سے محققین اور راسخین کا گروہ اس پر عامل ہے، کسی اور پر نہ چلے۔ باقی توفیق دینے والا اور مدد کرنے والا تو اللہ ہی ہے "

غرض شاہ ولی اللہ نے تصوف و طریقت کا اقرار کرتے ہوئے اسے شریعت کے مطابق کرنے کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کوشش کی، اور اس بات پر زور دیا کہ اسے اخلاقی اصلاح اور روحانی تربیت کا واسطہ بنایا جائے۔

شاہ صاحب کی سب سے مشہور اور مقبول عام کتاب حجۃ اللہ البالغہ ہے، جو آپ نے اسرار علم دین کے متعلق لکھی ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ مذہب اسلام کے جو عقائد یا احکام ہیں، ان میں کیا کیا مصلحتیں ہیں۔ شاہ صاحب اس سلسلے میں لکھتے ہیں:۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ شریعت کے احکام میں کوئی مصلحت نہیں ہوا کرتی۔ اور اعمال اور ان کی جزا میں جو منجانب اللہ مقرر ہے، کوئی مناسبت نہیں ہے۔ اور احکام شریعت کا مکلف کرنا بعینہ ایسا ہی ہے، جیسے کوئی آقا اپنے ملازم کی فرماں برداری کی آزمائش کرنے کو کسی پتھر کے اٹھانے یا کسی درخت کے چھونے کا حکم دے، جس میں بجز آزمائش کے اور کوئی فائدہ نہیں۔ پس اگر اس کی اطاعت کرے، جزا پائے اور سرکشی کرے تو سزا دی جائے۔ یہ گمان بالکل فاسد ہے۔ حدیث اور ان زمانوں کا اجماع، جن کی خوبی اور برکت پر خود شرع نے شہادت دی ہے اس خیال کی تردید کرتے ہیں۔

حجۃ اللہ البالغہ کے متعلق نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں کہ گزشتہ بارہ صدیوں میں علمائے عرب و عجم میں سے کسی نے اس جیسی تصنیف نہیں کی۔ اس سلسلہ میں مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ مذہب دو چیزوں سے مرکب ہے۔ عقائد و احکام۔ شاہ صاحب کے زمانے تک جس قدر تصنیفات لکھی جا چکی تھیں، صرف پہلے حصے کے متعلق تھیں۔ دوسرے حصے کو کسی نے مس نہیں کیا تھا۔ شاہ صاحب پہلے شخص ہیں، جنہوں نے اس موضوع پر کتاب لکھی۔

شاہ ولی اللہ کی علمی شخصیت کتنی جامع تھی۔ اور علوم اسلامیہ میں سے ہر علم پر ان کی نظر کتنی گہری اور ہمہ گیر تھی، اس کا اندازہ آپ کو اس مختصر سے تبصرے سے ہو گیا ہو گا۔ اگرچہ ان کا یہ بہت بڑا علمی کمال تھا۔ اور تاریخ اسلام میں آپ کو بہت کم ایسے علماء ملیں گے، جو اس معاملے میں شاہ صاحب کا مقابلہ کر سکیں لیکن اس کے علاوہ ان کا دوسرا کمال یہ ہے کہ انہوں نے اپنے زمانے کے جتنے بھی اسلامی مکاتب خیال اور مسلمانوں کے فرقے تھے، ان میں ہم آہنگی و موافقت پیدا کرنے کی کوشش کی، اور ان کے باہمی اختلافات کی ایسی تاریخی و علمی توجیہیں پیش کیں کہ وہ آپس میں اختلافات رکھتے ہوئے اسلام کے بنیادی و اصولی معاملات میں متفق ہو سکتے تھے۔ شاہ صاحب کا یہ کارنامہ سب سے امتیازی حیثیت رکھتا ہے اور یہی ان کی فکری جامعیت کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

© rasailojaraid.com

شاہ صاحب اپنے اس خصوصی علمی کمال کا ذکر یوں فرماتے ہیں[۱] "میرے دل میں تخلیق و ایجاد کے علوم کا بالعموم اور عالم خیال میں جو تخلیق ہوتی ہے، اس کے علوم کا بالخصوص فیضان ہوا۔ نیز اس علم کا فیضان ہوا کہ دو متناقض چیزوں اور دو ضدوں کا اجماع فی نفس الامر ممکن ہے" اور یقیناً یہ اس لئے تھا جیسا کہ وہ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

"تمہارے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ وہ تمہارے ذریعہ امت مرحومہ کے منتشر اجزاء کو جمع کر دے۔"

دو متضاد چیزوں میں ہم آہنگی و مطابقت پیدا کرنے کو تطبیق کہتے ہیں۔ شاہ صاحب نے اپنے زمانے کے چند اہم متنازع فیہ مسئلوں پر تطبیق کرنے کی کوشش کی ہے ان کا اجمالاً یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

وحدت الوجود اور وحدت شہود۔ خواجہ باقی باللہ نقشبندی کی آمد سے پہلے جو صوفیہ کے سلسلے ہندوستان میں برسر فروغ تھے، گو ان میں جزوی اور فروعی اختلافات ضرور تھے۔ لیکن ان کا روحانی پس منظر ایک تھا۔ یہ تینوں (چشتیہ، قادریہ اور سہروردیہ) "صلح کل" طریقے کے قائل تھے اور تینوں میں وحدت وجود کا طریق رائج تھا۔ حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی سلسلے کو لے کر آئے جس میں شرع کی پابندی پہ بڑا زور تھا۔ اور سماع کی بھی ممانعت تھی بعد میں حضرت مجدد الف ثانی نے جو حضرت خواجہ باقی باللہ کے مرید تھے وحدت وجود کے مقابلے میں وحدت شہود کا ایک مستقل تصور پیش کیا جو معنوی لحاظ سے وحدت وجود کی ضد تھا اور عملی زندگی میں اس کے جو نتائج نکلے وہ باقی سلسلوں کے "صلح کل" کے مسلک کے خلاف تھے۔ وحدت وجود کو آپ شان جمالی سمجھیں اور حضرت مجدد نے اس کے مدمقابل جس فلسفہ تصوف کی دعوت دی، وہ اپنے اندر شان جلالی رکھتا تھا۔ اس وقت اس اختلاف و تضاد کی وجہ سے مسلمان صوفیہ میں کافی کش مکش تھی اور ان کے دو گروہ ہو گئے تھے۔

شاہ ولی اللہ نے وحدت وجود اور وحدت شہود کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی اور ابن عربی اور مجدد الف ثانی کے خیالات میں تطبیق کی۔ شاہ صاحب نے دیکھا کہ ایک اصول اخذ و انجذاب کا ہے اور دوسرا تطہیر و تزکیہ کا ایک کے پیرو مشابہتوں اور یکرنگیوں کو دیکھتے ہیں اور دوسروں کی نظر اختلافات پر پڑتی ہے۔ ایک گروہ والے

---

۱ فیوض الحرمین

© rasailojaraid.com



عیسائی نوافلاطونی اور ہندو فلسفوں اور طریقوں کو کھنگالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان میں کون سی چیز اچھی ہے اور اخذ کی جا سکتی ہے اور دوسرا اصول کے پیرو ان چیزوں کو اسلام کی کسوٹی پر کستے ہیں، تاکہ جو چیز شرعی معیار پر پوری نہ اترے اسے رد کر دیا جائے۔ اگر پہلا گروہ نہ ہو تو اسلامی خیالات اور فلسفہ کی نشو و نما ختم ہو جائے۔ دماغ ایک محدود اور تنگ و تاریک دائرے سے باہر نہ نکلے اور خیالات میں وسعت اور لچک نہ رہے اگر دوسرا گروہ اپنا کام بند کر دے، تو ہر رطب و یابس بلکہ ملحدانہ اور مضر خیالات قبول کر لئے جائیں اور قوم کا نہ صرف شرعی بلکہ فکری اور روحانی نظام درہم برہم ہو جائے۔

شاہ صاحب نے وحدت وجود اور وحدت شہود کے بارے میں صوفیا کے درمیان جو اختلافات تھے، ان دونوں تصورات کو ایک دوسرے کے مطابق ثابت کر کے اس خلیج کو پر کیا۔ اس کے علاوہ روحانی اختلافات مٹانے کے لئے یہ بھی کیا کہ بیعت کے وقت چاروں خانوادوں کا نام لیتے۔ "تذکرۃ الرشید" میں لکھا ہے۔ "....چاروں خانوادوں کے نام لینے کا طریقہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے زمانے سے نکلا ہے"

شریعت اور طریقت۔ صوفی اور فقیہ کا اختلاف شروع سے چلا آتا ہے۔ ہندوستان میں اسلام زیادہ تر صوفیہ کے ذریعہ اشاعت پذیر ہوا، اور اسی لئے ضرورت تھی کہ اس اختلاف کو دور کیا جائے شاہ ولی اللہ اس کام کے لئے بے حد موزوں تھے۔ وہ فقہ اور اصول فقہ کے زبردست عالم تھے۔ اور باقاعدہ صوفی بھی۔ انہوں نے اپنے اس علم اور اپنے ذاتی تجربات کو تصوف اور فقہ کے اختلافات مٹانے کے لئے استعمال کیا۔ آپ نے تصوف کے مختلف پہلوؤں پر کئی کتابیں لکھیں، جن کے متعلق مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم لکھتے ہیں "ان کتابوں سے ملا اور صوفی کے جھگڑوں کا بشرطیکہ انصاف سے کام لیا جائے' خاتمہ ہو جاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ نے تصوف کے مسائل کو خالص اسلامی تعبیروں میں پیش کر کے مولویوں کی اس بھڑک کو مٹا دیا ہے، جو ان بیچاروں میں صوفی و صوفیت کے متعلق پائی جاتی ہے"

اس طرح شاہ صاحب نے صوفیہ کے آپس کے جو اختلافات تھے، انہیں بھی کم کرنے کی سعی کی اور صوفیہ اور فقہا کی کش مکش کو بھی ختم کرنے کی کوشش کی۔

مذاہب فقہ کا اختلاف۔ شاہ صاحب کی ابتدائی تعلیم حنفی طریقے پر ہوئی تھی۔ ان کے والد اور چچا دونوں حنفی تھے لیکن حجاز میں آپ کے استاد جن سے آپ بہت متاثر ہوئے، شیخ ابو طاہر مدنی شافعی تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



شاہ صاحب نے فقہ کے ان دونوں مذاہب سے فیض حاصل کیا، اور دونوں میں تطبیق دینے کی کوشش کی۔ اس ضمن میں لکھتے ہیں [1] "میرے دل میں ایک خیال ڈالا گیا ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے مذہب امت میں سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ سب سے زیادہ پیرو بھی ان کے پائے جاتے ہیں۔ اور تصانیف بھی انہی مذاہب کی زیادہ ہیں.... اس وقت جو امر حق ملاء اعلیٰ کے علوم سے مطابقت رکھتا ہے، وہ یہ ہے کہ دونوں کو ایک مذہب کی طرح کر دیا جائے۔ دونوں کے مسائل کو حدیث نبوی کے مجموعوں سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے۔ جو کچھ ان کے موافق ہو، اس کو رکھا جائے، اور جس کی کچھ اصل نہ ہو، اس کو ساقط کر دیا جائے پھر جو چیزیں تنقید کے بعد ثابت نکلیں، اگر دونوں مذاہب میں متفق علیہ ہوں، تو مسئلہ میں دونوں قول تسلیم کئے جائیں۔"

نہ صرف یہ کہ شاہ صاحب نے فقہ اسلامی کے ان دو بڑے مذاہب کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی کوشش کی، بلکہ خود حنفی مذہب کا ایک ایسا طریقہ تجویز کیا، جو "ان مشہور احادیث سے جو امام بخاری اور ان کے اصحاب کے زمانے میں جمع کی گئیں۔ اور ان کی اس زمانے میں جانچ پڑتال بھی ہوتی، موافق ترین ہے" اور وہ طریقہ یہ ہے "امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کے اقوال میں سے وہ قول لیا جائے، جو مسئلہ زیر بحث میں مشہور احادیث سے سب سے زیادہ قریب ہو، پھر ان فقہائے احناف کے فتاویٰ کی پیروی کی جائے، جو علمائے حدیث میں شمار ہوتے ہیں"

شیعہ سنی مسئلہ — ہندوستان میں شروع سے سنی مسلمانوں کی غالب اکثریت رہی ہے، لیکن یہاں شیعہ اثرات بھی کافی کارفرما رہے ہیں۔ اسلامی ہند کی دفتری اور ادبی زبان فارسی تھی۔ اور پھر جب ایران میں شیعہ مذہب کا فروغ ہوا، تو وہاں سے شیعہ علماء شعراء اور فلسفی کافی تعداد میں ہندوستان آتے رہے۔ اور بعد میں خود ہندوستان میں بھی شیعہ اہل علم پیدا ہوئے۔ اب اگر شیعوں کے خلاف غلو سے کام لیا جائے گا تو لازماً اس سے مسلمانوں میں تفرقہ پیدا ہوگا۔ اور اسلام کو ضعف پہنچے گا۔ شاہ ولی اللہ نے اس معاملے میں بھی ایک احسن طریق عمل اختیار کیا جو دونوں طبقوں کے نقطۂ نظر اور اس بحث پر تمام تاریخی مواد اور نبوی احکام مطالعہ کرنے کے بعد مدون ہوا ہے۔ شاہ ولی اللہ نے ان مسائل پر جن کی وجہ سے شیعہ سنی

---

[1] تفہیمات الٰہیہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اختلافات پیدا ہوئے، بڑی سیر حاصل بحث کر کے دونوں کے نقطہ ہائے نظر میں تطبیق کی، اور امت کے لئے راہ وسط نکالی۔

شیعہ سنی نزاع کو کم کرنے کے بارے میں شاہ صاحب کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم لکھتے ہیں:۔

"ہندوستان میں پہلے تورانی سنی پھر ایرانی شیعہ اور آخر میں متشدد سنّی روہیلوں کی شکل میں داخل ہوئے۔ ان تینوں عناصر کے امتزاج سے تسنن و تشیع کے سلسلے میں عجیب افراط و تفریط کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ شاہ صاحب نے اس سلسلے میں بھی بڑا کام کیا۔ بڑی محنت سے ہزارہا ہزار صفحات کو پڑھ کر آپ نے چاروں خلفاء کے واقعی حالات ازالۃ الخفا میں ایسے دل نشین طریقے سے مرتب فرمائے کہ اس کتاب کے پڑھنے کے بعد اگر شیعوں کی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جاتا ہے تو اسی کے ساتھ ان غالی سنیوں کی شدت و تیزی میں بھی کمی پیدا ہو جاتی ہے جو محض اس لئے کہ شاہ عبدالعزیز نے تنہا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مناقب کیوں بیان کئے یا شاہ ولی اللہ نے شیعوں کی تکفیر میں فقہائے حنفیہ کے اختلاف کو کیوں بیان کیا، ان پر بھی شیعیت کا فتویٰ صادر کر دیتے ہیں۔ اور اس کے لئے بجائے مناظرے اور مجادلے کے شاہ صاحب نے ایک ایسی راہ دریافت فرمائی جس سے بہت سے فتنوں کا سدِ باب ہو گیا۔"[1]

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ افضل ہیں یا حضرت علیؓ۔ اس بے حد متنازع فیہ مسئلے کو شاہ صاحب یوں حل کرتے ہیں:۔ ۔۔۔۔ "گو حضرت علیؓ نسب کے اعتبار سے نیز اپنی جبلت اور مجوب فطرت کے لحاظ سے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے زیادہ آپؐ سے قریب تھے۔ اور "جذب" میں بھی قوی تر اور "معرفت" میں بھی بلند تر تھے، لیکن اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے منصب نبوت کے کمال کے پیش نظر حضرت علیؓ سے زیادہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی طرف مائل تھے، اسی بنا پر ہم دیکھتے

---

[1] فیوض الحرمین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ہیں کہ وہ علماء جو معارفِ نبوت کے حامل ہیں، وہ شروع سے حضرت علیؓ پر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو فضیلت دیتے چلے آتے ہیں، اور جو علماء معارفِ ولایت کے قائل ہیں، وہ حضرت علیؓ کو افضل مانتے رہے ہیں، اور بقول شاہ صاحب کے حضرت علیؓ اسی امت کے پہلے صوفی، پہلے مجذوب اور پہلے عارف ہیں اور یہ کمالات سوائے آپ کی ذات میں اور کسی میں نہیں ہیں۔"

حسنِ اتفاق سے شاہ ولی اللہ معارفِ نبوت کے حامل علماء میں سے بھی تھے اور اسی کے ساتھ ساتھ معارفِ ولایت کے حامل علماء میں سے بھی، اس لئے تفضیلِ ابوبکرؓ و عمرؓ اور علیؓ کے معاملے میں ان کے ہاں قدرتاً تضاد تھا۔ اس ضمن میں وہ ایک جگہ "فیوض الحرمین" میں لکھتے ہیں:۔ "ان امور میں سے جن کا میں نے بارگاہ نبوی سے استفادہ کیا، آخری امر یہ ہے کہ مجھے حضرت علیؓ پر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو فضیلت دینے کا حکم دیا گیا۔ گو اس معاملے میں اگر میری طبیعت اور میرے رجحان کو آزاد چھوڑا جاتا تو وہ دونوں حضرت علیؓ کو فضیلت دیتے ۔ اور ان سے زیادہ محبت کا اظہار کرتے۔ لیکن یہ ایک چیز تھی، جو میری طبیعت کی خواہش کے خلاف عبادت کی طرح مجھ پر عائد کی گئی تھی اور مجھ پر اس کی تعمیل لازمی تھی۔"

اسی سلسلے میں وہ آگے لکھتے ہیں:۔ "میرے اندر ان تین متناقض چیزوں کا ہونا ایک عجیب بات ہے کاش ایسا نہ ہوتا، لیکن میری ذات میں "جامعیت" کی جو شدت ہے، اسی نے مجھے ان متناقضات میں ڈالا ہے"

ان تین متناقض چیزوں میں سے ایک چیز تو وہ ہے جس کا ابھی اوپر ذکر ہوا۔ اور دوسری چیز خود شاہ صاحب کے الفاظ میں یہ ہے "مجھے کہا گیا ہے کہ میں فقہ کے چار مذاہب کا پابند رہوں، اور ان کے دائرے سے باہر نہ نکلوں، اور جہاں تک ممکن ہو اس سے موافقت پیدا کروں، لیکن خود میری طبیعت کا یہ حال ہے کہ وہ تقلید سے ابا کرتی ہے، لیکن چونکہ یہ چیز اطاعت و عبادت کی طرح مجھ سے طلب کی گئی تھی۔ اس لئے مجھے اس سے جائے مفر نہ تھی۔"

اور تیسری چیز ہے شاہ صاحب کا اسباب کی طرف فطری التفات، اور پھر انہیں ترک اسباب کے لئے حکم ملنا۔ اس سلسلے میں وہ لکھتے ہیں "مجھ سے یہ عہد و پیمان لیا گیا تھا کہ میں اسباب کو وسیلہ بنانا چھوڑ دوں۔ اس سے یہ ہوا کہ ایک طرف تو میری طبیعت کا فطری رجحان اسباب کی طرف تھا۔ اور دوسری طرف مجھ سے ترکِ اسباب کا عہد لیا گیا تھا۔ اب میرے اندر یہ دو چیزیں پیدا ہو گئیں جو متناقض ہیں ۔۔۔"

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھ میں ان متناقضات کا ہونا ایک عجیب بھید اور نکتہ ہے۔ اور دراصل یہ بھید

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اور نکتہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ اس طرح شاہ صاحب کی فکری جامعیت وجود میں آسکے بے شک شاہ صاحب بہت بڑے عالم ربانی، محدث، فقیہہ، متکلم اور صوفی وصاحب کشف بزرگ تھے لیکن ان کی اس جامعیت کی تشکیل میں زیادہ تر اس خصوصیت کا حصہ ہے جو ان کے والد اور ان کے خاندان کو دوسرے علماء سے ممتاز کرتی تھی۔ اور یہ تھی ان کی عملی سوجھ بوجھ اور مسائل زیر بحث کے نظری پہلوؤں سے زیادہ ان کے عملی پہلوؤں پر زور دینا۔ شاہ عبدالرحیم نے خاص طور سے اپنے نامور فرزند کو یہ تعلیم دی تھی جسے اس زمانے کی اصطلاح میں "حکمت عملی" کا نام دیا گیا تھا۔ شاہ ولی اللہ اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "حکمت عملی جس پر اس عہد میں خیر و برکت کا انحصار ہے، کارساز قدرت نے مجھے اس کا وافر حصہ عطا فرمایا.... "

اسی حکمت عملی کا نتیجہ تھا وہ معقول نقطہ نظر اور متوازن دل ودماغ، جو عمل کے لئے لازمی ہوتا ہے اور اس کے بغیر جامعیت ممکن نہیں، جس نے شاہ ولی اللہ کو اسلامی ہند میں ایک خاص امتیاز بخشا ہے اور جس کی وجہ سے آج فلاح قومی کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے ذہنی نظام میں شاہ ولی اللہ کو مرکزی جگہ دیں۔

تطبیق کی فی الحقیقت ضرورت ہی اس لئے پڑتی ہے کہ عمل کے لئے ذہنی تناقضات کو ہم آہنگ کیا جائے۔ اس تطبیق میں شاہ صاحب کا سب سے نمایاں وصف عدل و اعتدال ہے۔ جو کوئی بھی شاہ ولی اللہ کے فکر اور مسلک پر تبصرہ کرے گا، اسے اس سلسلے میں لامحالہ متوازن دل ودماغ " "معتدل مزاج" "ہمہ گیر فطرت" "جامعیت" "توازن صادق" اور اعتدال صحیح" یا اس طرح کے الفاظ استعمال کرنے پڑیں گے۔

مولانا عبیداللہ سندھی کے الفاظ میں "شاہ ولی اللہ صاحب نے قرآن شریف کا جو نصب العین معین فرمایا ہے، وہی ان کی حکمت کی اساس ہے، یہ حکمت اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ خود یہ دنیا ہے۔ شاہ صاحب نے تمام انبیاء کی زندگی کو اسی حکمت کی نظر سے دیکھا ہے اور ان کی تعلیمات کو تدریجی ترقی کے اسی اصول پر حل کیا ہے۔ ہمارے نزدیک شاہ صاحب کا سب سے بڑا علمی کمال ہے اسی لئے ہم ان کو امام مانتے ہیں۔ ہم شاہ صاحب کی امامت پر محض اس بنا پر زور دیتے ہیں کہ انہوں نے انسانی فکر کو از اول تا آخر ایک تاریخی تسلسل میں مرتب کر دیا ہے، جس کی وجہ سے تمام انبیاء کی تعلیم میں فکری وحدت پیدا ہو جاتی ہے"

اسی طرح شاہ صاحب نے تاریخ اسلام کو بھی از اول تا آخر ایک فکری وحدت دینے کی کوشش کی ہے اور یہی ان کی جامعیت کا سب سے بڑا امتیاز ہے۔

© rasailojaraid.com